© rasailojaraid.com

مولانا محمد طاسین کی امتیازی آراء (بیع مؤجل کے حوالے سے)

ڈاکٹر محمد عبدالعلی اچکزئی

ایسوی ایٹ پروفیسر و صدر شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ

ABSTRACT:

The views of Maulana MuhammadTaseen related of Bai.Muajal Maulana Taseen is one of the prominent andlearned personalities of Pakistan. Who has hundreds of articles on the issues of current age. From the study of his research and writings, one can perceive that he has extra ordinary command on Fiqh (Jurisprudence). At the same time,he has deep knowledge of Islamic economics. He has written many books on Islamic Economics. In this regard, he has published many research articles in various journals. One of the important issues of present time is Bai-Muajal. It means of sell and purchase goods/property on credit. In this form of business, the price of commodities is fixed higher as compared to selling things in cash form. Maulana Muhammad Taseen has different views related to such kind of business. Most of the jurists justify such kind of deal,while Maualana Taseen does not favor Bai.Muajal. According to him, it is unjustified and illegal to fix high price of commodities if business is being done on credit. Such kind of business will be synonymous to Riba (Usury), which is

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

forbidden and not allowed in Islamic Sharia. The arguments which he has given in this regard have weightage. The loss and bad effects of such kind of business is visible in the society. It should not be allowed and it is against Islamic Sharia. Therefore, it should be avoided.

مولانا محمد طاسین پاکستان کی ممتاز فاضل شخصیت ہیں۔ ان کی سیرت وکردار کے کئی پہلو ایسے ہیں جو قابل رشک ہیں۔ ان کے کردار کا ایک پہلو یہ ہے کہ موصوف ہر قسم کی تنگ نظری، جماعتی اور گروہی عصبیت سے پاک ہیں۔ آپ کی ساری زندگی علماء وفضلاء کی صحبت میں بسر ہوئی ہے۔ مولانا نے دور جدید کے بیسیوں اہم مسائل پر سینکڑوں مضامین لکھے ہیں اور اپنی پوری زندگی ان مسائل میں غور وفکر میں صرف کی ہے۔ آپ کی تحقیق وتحریر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ پر ان کو غیر معمولی دسترس حاصل ہے۔ قرآن وسنت کے گہرے مطالعے اور ان سے مسائل، احکام اور نتائج اخذ کرنے کے معاملے میں مولانا کی بصیرت تو ایسی ہے جسے اگر موجودہ علماء کرام میں منفرد بصیرت کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ چونکہ ہمارے اس مذہبی طبقہ میں عام طور پر یک شعبہ جاتی صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں، انہیں جدید دور کے معاشی نظریات، معاشی مسائل اور تمدنی مسائل کے سلسلے میں نہ صرف یہ کہ کچھ پڑھایا نہیں جاتا، بلکہ ان چیزوں کے بارے میں ان کی معلومات اتنی کم ہوتی ہیں کہ وہ شد بد کے ضمن میں ہی آسکتی ہے۔ اس طرح کے حالات میں مولانا محمد طاسین جیسی مجتہدانہ صلاحیت کی حامل شخصیت کی تحقیق کو نئے دور کے حالات وپس منظر میں کھلے دل اور وسعت نظر کے ساتھ پڑھنے اور دیکھنے کی توقع رکھنا ہی مشکل ہے، کجا کہ مولانا کی تحقیق کی قدر کی جائے اور اس معاملہ میں ان کے کام پر بھرپور علمی تنقید کرکے ان کے کام کو بہتر بنانے میں ان سے تعاون کیا جائے۔

مولانا محمد طاسین اگرچہ دینی مدرسے کے فاضل ہیں جدید تعلیمی ادارے سے انہیں براہ راست کچھ حاصل کرنے کا موقع نہ مل سکا، لیکن عربی زبان میں جدیدیت کے موضوع پر جو لٹریچر چھپا ہے، مولانا نے اس کا وسیع مطالعہ کیا ہے، چنانچہ جدیدیت کے اس وسیع مطالعہ نے ایک طرف تو مولانا کو نئے دور کے علوم اور فکر وفلسفہ کو سمجھنے میں مدد دی، دوسری طرف وہ اسلامی فکر اور اجتہاد کو نئے اسلوب اور نئی زبان میں پیش کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوئے۔ مولانا محمد طاسین کے فکر ونظر اور تحقیق کے بعض پہلوؤں سے اختلاف کی پوری گنجائش موجود ہے، لیکن جہاں تک نئے دور میں نئی رہنمائی کے سلسلے میں مولانا کا موقف ہے تو ہماری نظر میں مولانا کا موقف صحیح ہے اور اس سلسلے میں مولانا کا انفرادی کام غیر معمولی تحسین کا حامل ہے۔(۱)

مولانا محمد طاسین دیگر موضوعات کے علاوہ خصوصاً اسلامی معاشیات پر گہری نظر رکھتے ہیں، اس سلسلے میں آپ کی کئی کتب اور تحقیقی مضامین مختلف جرائد میں شائع ہوچکے ہیں، زیر بحث تحقیقی مضمون میں معاشیات ہی سے متعلق عصر حاضر کے ایک اہم مسئلہ بیع موجل کے حوالے سے آپ کی امتیازی آراء کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

بیع موجل کی تعریف اور حکم: اس کا مطلب ہے ادھار پر کوئی شئے کسی کے ہاتھ فروخت کرنا، اس بیع کی یہ شکل تو یقینا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائز ہے کہ ادھار پر فروخت کی جانے والی شے کی قیمت وہی وصول کی جائے جو نقد فروخت کرنے کی صورت میں وصول کی جاتی ہے لیکن بیع مؤجل کی ایک شکل اور بھی ہے اور وہ یہ کہ خریدار اگر نقد قیمت ادا کرے تو اس شے کی قیمت کچھ اور ہو اور اس چیز کو اگر ادھار پر خریدے تو نقد کے مقابلے میں زیادہ قیمت ادا کرے۔ مثلاً ایک چیز جس کی قیمت بازار میں عام طور پر بصورت نقد ایک سو روپے ہے، اس کو مثلاً ایک سال کے ادھار پر ایک سو پچاس روپے میں فروخت اور خریدا جائے۔ خریدار کی طرف سے یہ واجب الادا رقم میعاد مکمل ہونے پر یا تو یکمشت ادا کی جاتی ہے، یا طے شدہ قسطوں کے مطابق ادا کی جاتی ہے۔ قسطوں پر ادائیگی کی وجہ سے اس بیع کو "بیع بالتقسیط" (INSTALMENT BUYING) بھی کہا جاتا ہے۔ بہر حال ادائیگی چاہے یکمشت ہو یا قسط وار، بیع مؤجل کے مروجہ معاملے میں ادھار کی وجہ سے بیچی جانے والی چیز کی قیمت نقد بیع کے مقابلے میں زیادہ مقرر کی جاتی ہے۔

یہاں پر سوال اب یہ پیدا ہوتا ہے کہ ادھار فروخت کرنے کی صورت میں نقد فروخت کے مقابلے میں قیمت زیادہ مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا محمد طاسین لکھتے ہیں:

"بیچی اور خریدی جانے والی چیزیں دراصل دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک وہ جن کی بازار میں قیمت مقرر ہوتی ہے اور مقررہ نرخ پر ان کی خرید و فروخت کی جاتی ہے اور دوسری وہ جن کی نہ بازار میں قیمت مقرر ہوتی اور نہ عام طور پر ان کی بیع و شراء ہوتی ہے۔ پہلی قسم کی چیزوں کو ان کا مالک نقد کی صورت میں ہر اس ثمن کے عوض بیچ سکتا ہے جس پر وہ اور خریدار رضا مند ہو جائیں۔ اس طرح کا ثمن بازاری مقررہ قیمت کے برابر بھی ہو سکتا ہے اور اس سے کچھ کم یا زیادہ بھی ہو سکتا ہے، مثلاً بازار کے نرخ کے مطابق اس چیز کی قیمت سو روپے ہے تو نقد خرید و فروخت میں وہ پورے سو روپے میں بھی لی دی جا سکتی ہے اور سو روپے سے کچھ کم اور زیادہ میں بھی لی دی جا سکتی ہے، اگرچہ زیادہ میں اس کا لین دین بہت ہی کم کہیں ہوتا ہے اور عام طور پر نقد سے خریدنے والا اس قیمت سے زائد نہیں دیتا جو بازار میں رائج ہوتی ہے۔ ادھار کی صورت میں ایسی چیزوں کو بازاری مقررہ قیمت سے زائد ثمن میں لینا دینا اس وجہ سے ناجائز قرار پاتا ہے کہ اس میں اصل قیمت پر جو زائد ہوتا ہے، وہ اجل اور مدت قرض کے عوض ہوتا ہے لہٰذا وہ ربوٰ النسیئہ کے تحت آتا ہے جو حرام ہے۔

دوسری قسم کی چیزیں وہ ہوتی ہیں جن کی بازاری نرخ کے مطابق قیمت مقرر نہیں ہوتی اور نہ عام طور پر بازاروں میں ان کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ ایسی چیزیں نقد کی صورت میں بھی اور ادھار کی صورت میں بھی فریقین جس ثمن پر چاہیں خرید و فروخت کر سکتے ہیں، ایسی چیزوں کی چونکہ بازاری نرخ سے کوئی قیمت مقرر نہیں ہوتی لہٰذا ان کے کسی ثمن کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ان کی اصل قیمت سے زیادہ ہے، کیونکہ زیادہ کا تصور اس وقت ہوتا ہے جب اصل قیمت متعین ہو جو یہاں متعین نہیں ہوتی۔ بنا بریں ایسی چیزوں کے ادھار کے ثمن کو اصل قیمت اور نقد کے ثمن کو اصل قیمت سے کم رعایتی قیمت قرار دیا جا سکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ادھار کی صورت میں، نقد کی صورت کی نسبت ثمن میں جو زیادتی ہوتی ہے، اس کو اجل یعنی مدت ادھار کا عوض نہیں کہا جا سکتا لہٰذا یہ معاملہ ربوٰ النسیئہ کے مشابہ اور حرام نہیں ہوتا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر مذکورہ دونوں قسم کی چیزوں کی مثال سے وضاحت کر دی جائے تو حقیقت حال اچھی طرح ذہن نشین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جائے گی۔ پہلی قسم کی چیزوں کی مثال وہ مختلف قسم کی مشینیں موٹر سائیکل موٹر کار وغیرہ تمام اشیاء جن کے بازاروں میں نرخ مقرر ہوتے اور ناپ تول گنتی وغیرہ کے ذریعے ان کی خرید وفروخت کی جاتی ہے۔ نقد کی صورت میں ایسی چیزوں کی خرید وفروخت ہر اس ثمن پر جائز ہوتی ہے جس پر فریقین یعنی بائع اور مشتری کا اتفاق ہو جائے اور ان کی رضا مندی موجود ہو، خواہ وہ اصل بازاری قیمت کے برابر ہو یا اس سے کم اور کچھ زیادہ ہو، لیکن ادھار کی صورت میں ایسی چیزوں کی خرید وفروخت اس ثمن پر تو جائز ہوتی ہے جو بازاری قیمت کے برابر ہو، لیکن اس ثمن پر جائز نہیں ہوتی جو بازاری قیمت سے زائد ہو۔ مثلاً ایک مشین یا گاڑی جس کی قیمت کمپنی کی طرف سے مثلاً ایک لاکھ روپے مقرر ہوئی اور اس قیمت پر وہ بازار میں فروخت ہوتی ہے، ایک مالدار شخص اس کو ایک لاکھ میں خرید کر دوسرے شخص پر ایک سال کے ادھار سے ڈیڑھ لاکھ میں فروخت کرتا ہے اور طے کرتا ہے کہ ادائیگی ایک سال کے اندر قسطوں میں ہوتی رہے گی یا سال پورا ہونے پر یکمشت ہوگی تو یہ معاملہ ربٰو سے مشابہ ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار پاتا ہے۔

دوسری قسم کی چیزوں کی مثال مکانوں سے دی جاسکتی ہے جن کی بازاروں میں نہ خاص نرخ سے ایک قیمت مقرر ہوتی ہے نہ اشیاء منقولہ کی طرح خرید وفروخت ہوتی ہے، مکانات چونکہ اپنے تعمیری نقشے تعمیری مواد، چھوٹے بڑے، نئے و پرانے اور محل وقوع وغیرہ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں لہٰذا ان کی قیمتیں بھی مختلف ہوتی ہیں جیسا کہ سب جانتے ہیں۔ اور چونکہ مذکورہ امور کی بناء پر ان کی کوئی ایک قیمت مقرر نہیں ہوتی لہٰذا نقد اور ادھار جس صورت میں بھی ان کی خرید وفروخت جس ثمن پر بھی ہوتی ہے جائز ہوتی ہے۔ مکان بیچنے والا خریدنے والے سے کہتا ہے کہ اگر نقد ادا کرو تو ثمن مثلاً ایک لاکھ اور سال کے ادھار پر لو تو ثمن سوا لاکھ ہوں گے تو یہ معاملہ اس وجہ سے درست ہوتا ہے کہ ادھار کی صورت میں جو پچیس ہزار کا اضافہ ہے وہ اصل قیمت پر مدت ادھار کے عوض اضافہ نہیں، اس لیے کہ یہاں اصل قیمت سرے سے متعین ہی نہیں، بلکہ اس صورت میں کہہ سکتے ہیں کہ ادھار والے ثمن اصل قیمت کے قائم مقام اور نقد والے ثمن بطور رعایت کے کم ہیں، نہ یہ کہ نقد والے ثمن اصل قیمت اور ادھار والے ثمن اس پر اضافہ ہیں، کیونکہ ثمن اور قیمت کے درمیان لزوم اور تساوی کا تعلق نہیں، بلکہ عام خاص مطلق کا تعلق ہے یعنی ہر قیمت تو ثمن ہو سکتی ہے لیکن ہر ثمن قیمت نہیں ہوتا، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات ایک چیز بازاری قیمت سے کم ثمن پر بیچی خریدی جاسکتی جاتی ہے، ایسی بیع کا نام بیع بالوضیعہ ہے جو بالکل جائز مانی گئی ہے، اسی طرح ادھار کے ثمن کے لیے بھی لازمی نہیں کہ وہ چیز کی اصل قیمت سے ہمیشہ زائد ہو، کیونکہ قرض حسن کی صورت میں ادھار چیز کے ثمن اصل قیمت کے برابر ہوتے ہیں۔ (۲)

خلاصہ یہ کہ مولانا محمد طاسین کے نزدیک بیع مؤجل کی وہ صورت جس میں ''مبیع'' کی بازار میں قیمت مقرر ہو، اس کو ادھار پر زیادہ قیمت پر فروخت کرنا جائز نہیں ہے، جبکہ وہ چیز جس کی بازار میں قیمت مقرر نہ ہو، اس کو ادھار پر فروخت کرنا جائز ہے۔

لیکن ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اور محدثین کے نزدیک بیع مؤجل (ادھار بیع) کی مذکورہ بالا دونوں شکلوں میں نقد بیع کے مقابلہ میں قیمت زیادہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ عاقدین عقد کے وقت ہی بیع مؤجل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں قطعی فیصلہ کرکے کسی ایک ثمن پر متفق ہو جائیں لہٰذا اگر بائع یہ کہے کہ میں نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں بیچتا ہوں اور اس کے بعد کسی ایک بھاؤ پر اتفاق کئے بغیر دونوں جدا ہو جائیں تو بیع ناجائز ہے، لیکن اگر عاقدین مجلس عقد میں ہی کسی ایک شق اور کسی ایک ثمن پر اتفاق کرلیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو یہ بیع جائز ہو جائے گی۔(۳)

مجوزین زیادہ تر امام ترمذی کی درج ذیل حدیث سے جواز پر استدلال کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃؓ قال نہی رسول اللہ ﷺ عن بیعتین فی بیعۃ....قال الترمذی و العمل علی ھذا عند اھل العلم وقد فسر بعض اھل العلم قالوا: بیعتین فی بیعۃ ان یقول: ابیعک ھذا الثوب بنقد بعشرۃ وبنسیئۃ بعشرین و لایفارقہ علی احدی البیعتین فاذا فارقہ علی احدھما فلاباس اذاکانت العقدۃ علی واحدۃ منہا۔(۴)

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا۔۔۔امام ترمذی کہتے ہیں کہ اسی پر علماء کا عمل ہے بعض علماء اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ میں تمہیں یہ کپڑا نقد دس روپے میں اور ادھار بیس روپے میں فروخت کرتا ہوں اور پھر کسی ایک بیع پر اتفاق کر کے جدائی نہیں ہوئی لیکن اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر اتفاق ہونے کے بعد جدائی ہوئی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں (یعنی بیع جائز ہے) کیونکہ معاملہ ایک پر طے ہو گیا ہے''

امام ترمذی کے قول کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ:

''مذکورہ بیع کے ناجائز ہونے کی علت یہ ہے کہ عقد کے وقت کسی ایک صورت کی عدم تعیین سے ثمن دو حالتوں میں متردد ہو جائے گا اور یہ تردد جہالت ثمن کو مستلزم ہے، جس کی بنا پر بیع ناجائز ہوئی مگر مدت کے مقابلے میں ثمن کی زیادتی ممانعت کا سبب نہیں لہذا اگر عقد کے وقت ہی کسی ایک حالت کی تعیین کر کے جہالت ثمن کی خرابی دور کر دی جائے تو پھر اس بیع کے جواز میں شرعاً کوئی قباحت نہیں رہے گی''(۵)

وہ مزید لکھتے ہیں:

''قرآن وحدیث میں اس بیع کے عدم جواز پر کوئی نص موجود نہیں اور اس بیع میں ثمن کی جو زیادتی پائی جا رہی ہے، اس پر ربا کی تعریف بھی صادق نہیں آ رہی ہے، کیونکہ وہ قرض نہیں ہے اور نہ ہی یہ اموال ربویہ کی بیع ہو رہی ہے، بلکہ یہ ایک عام بیع ہے اور عام بیع میں بائع کو شرعاً مکمل اختیار ہے کہ وہ اپنی چیز جتنی قیمت پر چاہے فروخت کرے اور بائع کے لیے شرعاً یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی چیز بازاری دام پر ہی فروخت کرے اور قیمت کی تعیین میں ہر تاجر کا یکساں اصول ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایک ہی چیز کی قیمت حالات کے اختلاف سے مختلف ہو جاتی ہے اور اگر کوئی شخص اپنی چیز کی قیمت ایک حالت میں ایک مقرر کرے اور دوسری حالت میں دوسری مقرر کرے تو شریعت اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتی۔ لہذا اگر کوئی شخص اپنی نقداً آٹھ روپے میں اور ادھار دس روپے میں بیچ رہا ہو، اس شخص کے لیے بالاتفاق اسی چیز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو نقد دس روپے میں فروخت کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ اس میں دھوکہ فریب نہ ہو اور جب نقد دس روپے میں بیچنا جائز ہے تو ادھار دس روپے میں بیچنا کیونکر ناجائز ہوگا؟(۶)

جمہور علماء کی رائے کے برخلاف بعض علماء ادھار فروخت کرنے کی صورت میں نقد فروخت کے مقابلے میں قیمت کی زیادتی کو ناجائز کہتے ہیں، اس لئے کہ ثمن کی یہ زیادتی "مدت" کے عوض میں ہے اور جو ثمن "مدت" کے عوض میں دیا جائے وہ سود ہے یا کم از کم سود کے مشابہ ضرور ہے۔ یہ زین العابدین علی بن الحسین اور الناصر، المنصور باللہ اور ھادویہ کا مسلک ہے اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان فقہاء کا یہی مسلک نقل فرمایا ہے۔(۷)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بیع کے عدم جواز کے بارے میں بحوالہ مسند احمد بن حنبل یہ روایت نقل کی ہے:

عن سماک عن عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعود عن ابیہ، "نھی صلی اللہ علیہ وسلم عن صفقتین فی صفقۃ قال سماک ھو الرجل یبیع البیع فیقول ھو بنسا بکذا وھو بنقد بکذا و کذا.(۸)

حضرت سماک عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود سے اور عبدالرحمٰن اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ایک بیع میں دو بیع کرنے سے، سماک اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ کوئی شخص ایک چیز فروخت کرتے ہوئے یہ کہے کہ میں تمہیں یہ چیز ادھار اتنے (مثلاً بیس روپے) پر اور نقد اتنے اور اتنے (مثلاً دس روپے) پر فروخت کرتا ہوں۔ (گویا اس طرح کا معاملہ کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا)۔ اس حدیث نبوی سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس بیع کے اندر دو ثمن ذکر کئے گئے ہوں ایک کم اور دوسرا زیادہ، گویا نقد کی صورت میں کم اور ادھار کی صورت میں زیادہ ایسی بیع کی ممانعت کی گئی ہے۔

مولانا محمد طاسین بھی ان علماء میں شامل ہے جن کے نزدیک اس قسم کی بیع جائز نہیں ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

معاملہ زیر بحث کے ممنوع ہونے کی ایک بڑی اور اہم وجہ اس کے اندر ادھار کی صورت میں بمقابلہ نقد کے ثمن کا زیادہ ہونا ہے جو اس معاملے کو ربا کے مشابہ بنا دیتا ہے اور ربا چونکہ حرام و ممنوع ہے لہٰذا اس سے مشابہت کی وجہ سے یہ معاملہ ممنوع اور ناجائز قرار پاتا ہے۔(۹)

مولانا محمد طاسین مزید لکھتے ہیں:

جن اشیاء کی باقاعدہ نرخ سے بازار میں کوئی ایک قیمت مقرر نہیں اور ان کی خرید و فروخت، ناپ تول گنتی وغیرہ کے معروف پیمانوں سے نہیں ہوتی اور نہ ہی ہو سکتی ہے، ایسی اشیاء کو ان کا مالک نقد اور ادھار جس ثمن میں چاہے فروخت کر سکتا ہے اور ادھار کی صورت میں بمقابلہ نقد کے زیادہ ثمن لگا سکتا ہے اور چونکہ ایسی اشیاء کی بازار میں اصل قیمت مقرر نہیں ہوتی لہٰذا نہ نقد ثمن کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اصل قیمت کے برابر یا اس سے کم اور زیادہ ہے، اسی طرح ادھار ثمن کے متعلق بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اصل نقد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قیمت سے زیادہ ہے کیونکہ یہاں اصل قیمت سرے سے موجود ہی نہیں ہوتی، لیکن ایسی اشیاء جن کی طلب ورسد وغیرہ کے عوامل کے تحت باقاعدہ بھاؤ اور نرخ سے قیمت مقرر ہوتی اور ناپ تول گنتی وغیرہ کے پیمانوں کے ذریعے ان کی خرید وفروخت ہوتی ہے میرے علم وفہم کے مطابق ایسی اشیا کو ادھار کی صورت میں بمقابلہ نقد ثمن کے زیادہ ثمن میں بیچنا خریدنا جائز نہیں۔(۱۰)

ایک اور مقام پر مولانا محمد طاسین نے اس بیع کو دور جاہلیت کی ربوا "ربوالنسیہ" سے مشابہ قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"یہ معاملہ اپنی حقیقت وماہیت، اپنے منشا ومقصد اور اپنے لازمی اثرات ونتائج کے لحاظ سے "ربوالنسیئہ" جیسا معاملہ ہے وہ اس طرح کہ اس میں ایک شے جس کی قیمت نقد بازار میں عام طور پر مثلاً ایک سو روپے ہوتی ہے جب ایک سال کے ادھار پر وہ ایک سو پچاس روپے میں بیچی جاتی ہے تو اس میں پچاس روپے کا جو اضافہ ہوتا ہے وہ دراصل ایک سال کی مدت ومہلت کا معاوضہ ہوتا ہے، نیز جس طرح "ربوالنسیئہ" میں مقروض سے قرض کے اصل مال پر زائد لیا جانے والا مال بلاعوض ہوتا ہے اور مقروض کی حق تلفی قرار پاتا ہے اسی طرح زیر بحث معاملے میں بیچی جانے والی شے کی اصل قیمت پر ادھار کی وجہ سے جو اضافہ ہوتا ہے بیچنے والے کی طرف سے خریدار کے لئے اس کا کوئی معاوضہ موجود نہیں ہوتا، لہٰذا بیچنے والا جو زائد لیتا ہے خریدار کا حق لیتا اور اس کی حق تلفی کرتا ہے، نیز جس طرح ربوالنسیہ میں قرض دہندہ کا مقصد بغیر کسی دماغی جسمانی محنت ومشقت کے اور بغیر نقصان برداشت کرنے کی کسی ضمانت کے اپنے سرمائے اور تمول کو بڑھانا ہوتا ہے، اسی طرح زیر بحث بیع الموجل کے معاملہ میں فروخت کنندہ کا مقصد بغیر کسی پیدا آور محنت اور عملی جدوجہد کے اور بغیر نقصان برداشت کرنے کی کسی ذمہ داری کے نفع کمانا اور اپنے سرمائے کو بڑھانا ہوتا ہے، پھر جس طرح ربوالنسیہ کے رواج سے معاشرے میں معاشی عدم توازن اور غیر فطری نشیب وفراز رونما ہوتا اور ملکی دولت چند اغنیا اور سرمایہ داروں کے درمیان سمٹ کر رہ جاتی ہے اسی طرح زیر بحث معاملہ کے بھی عام رواج سے معاشرے میں ویسی ہی معاشی حالت پیدا ہوتی ہے، غرضیکہ وہ تمام اخلاقی، معاشرتی اور معاشی برائیاں جو ربوالنسیہ کے عملی رواج سے ظہور میں آتی اور معاشرے کے توازن کو بگاڑتی ہیں اور جن کی وجہ سے اسلام نے ربوالنسیہ کو قطعی طور پر حرام اور ممنوع ٹھرایا ہے وہ سب زیر بحث بیع موجل کے معاملہ سے بھی لازماً ظہور میں آتی ہیں، لہٰذا اصول قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس معاملہ کا بھی وہی شرعی حکم ہونا چاہیے جو معاملہ ربوالنسیہ کا ہے یعنی حرام، کیونکہ بنیادی طور پر ان کے درمیان کچھ فرق نہیں صرف لفظی فرق ہے جس کا عقود ومعاملات میں شرعاً کوئی لحاظ اور اعتبار نہیں ہوتا۔(۱۱)

مولانا محمد طاسین مذکورہ بیع (بیع موجل) کے عدم جواز کے سلسلے میں درج ذیل آیت سے استدلال کرتے ہیں، ارشاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خداوندی ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ. (۱۲)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم آپس میں ایک دوسرے کے اموال ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ وہ ایسی تجارت کا طریقہ ہو جس میں فریقین کی حقیقی رضامندی پائی جاتی ہو۔

آیت کے پہلے حصے میں باطل طریقہ سے ایک دوسرے کا مال کھا لینے کی ممانعت ہے۔ لفظ "باطل" جس کا ترجمہ "ناحق" سے کیا گیا ہے عبداللہ بن مسعود اور جمہور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک تمام ان صورتوں پر حاوی ہے جو شرعاً ممنوع اور ناجائز ہیں، جس میں چوری، ڈاکہ، غصب، خیانت، رشوت اور سود و قمار تمام معاملات نا سد و باطل ہیں۔ (۱۳)

الجصاص "باطل" کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

واكل مال الغير بالباطل قد قيل فيه وجهان احدهما ما قال السدى وهو ان ياكل بالرباء والقمار والبخس والظلم وقال ابن عباس والحسن ان ياكله بغير عوض. (۱۴)

"دوسرے کا مال باطل طریقے سے کھانے کی دو صورتیں بیان ہوئی ہیں، ایک یہ جو سدی کا قول ہے کہ سود، جوئے، حق تلفی اور ظلم کے ذریعے کھایا جائے اور (دوسرا یہ جو کہ) ابن عباس اور حسن بصری کا قول ہے کہ بغیر عوض کے کھایا جائے"

آیت مذکورہ کی تفسیر میں مولانا محمد طاسین لکھتے ہیں:

"اس آیت کریمہ کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں باطل طریقہ سے ایک دوسرے کا مال کھا لینے کی ممانعت ہے اور لا حرف استثنا کے بعد دوسرے حصہ میں ایسی تجارت کے طریقہ سے ایک دوسرے کا مال لینے کی اجازت ہے جس میں ہر فریق کی حقیقی اور دلی رضامندی پائی جاتی ہو۔۔۔ لہٰذا آیت مذکورہ کے پہلے حصہ کا مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال بغیر عوض کے نہ لو، یعنی معاوضے کے معاملات میں ایک دوسرے کا مال بغیر ایسے عوض کے نہ لو جو مالیت اور قدر و قیمت میں اس کے برابر ہو، کیونکہ کسی مال کا صحیح عوض اور بدل صرف وہ ہوتا ہے جو قدر و قیمت میں اس مال کے برابر ہو۔ بنا بریں آیت کے پہلے حصہ کی رو سے ہر وہ معاشی معاملہ باطل اور ممنوع قرار پاتا ہے جس میں ایک فریق کے لئے اس کے مال کا سرے سے عوض موجود ہی نہ ہو یا عوض تو موجود ہو لیکن قدر و قیمت کے لحاظ سے اس مال کے مساوی نہ ہو"

آیت کے دوسرے حصہ میں معاوضے کے صرف اس معاملہ کو باطل سے مستثنیٰ اور جائز بتلایا گیا ہے جس میں ہر فریق کے لیے اس کی چیز کا بدل موجود ہوتا ہے لہٰذا فریقین کی حقیقی رضامندی پائی جاتی ہے، چونکہ تجارت یعنی بیع و شراء کا معاملہ ایسا ہی ہے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بائع کو اپنی چیز کا عوض ثمن اور قیمت کی شکل میں اور مشتری کو اپنی چیز کا عوض خریدی ہوئی شے یعنی مبیع کی شکل میں ملتا ہے ،البتہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بائع ،مشتری کی کسی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی چیز اس سے زائد قیمت پر بیچ دیتا ہے جو قیمت بازار میں عام طور پر اس چیز کی ہوتی ہے یا مشتری بائع کی کسی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی چیز اس قیمت سے کم قیمت پر خرید لیتا ہے جو بازار میں عام طور پر ہوتی ہے لہذا بیع وشراء کی ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ایک فریق کی حقیقی رضامندی موجود نہیں ہوتی ،اس وجہ سے کہ اس کے لیے اس چیز کا پورا اور صحیح عوض وبدل موجود نہیں ہوتا لہذا بیع وشراء کا ایسا معاملہ ایک فریق کی حقیقی رضامندی موجود نہ ہونے کی وجہ سے ناجائز وممنوع قرار پاتا ہے۔ جہاں تک ظاہری اور زبانی رضامندی کا تعلق ہے وہ تو معاملہ ربا میں بھی موجود ہوتی ہے ،لیکن اس کے باوجود ربا کا معاملہ حرام وممنوع رہتا ہے ، بلکہ حقیقت میں رضامندی کا خارجی اور معروضی معیار ہر فریق کے لیے اس کی چیز کا صحیح عوض وبدل موجود ہوتا ہے ،وہ موجود ہو تو اس کا مطلب رضامندی کا موجود ہونا ہے اور موجود نہ ہو تو اس کا مطلب رضامندی کا موجود نہ ہونا ہے۔ آیت مذکورہ کی تفسیر میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے ،اس کی روشنی میں معاملہ زیر بحث کو جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ معاملہ بھی باطل کا مصداق نظر آتا ہے کیونکہ اس میں بیچنے والا ادھار کی وجہ سے اپنی مثلاً سو روپے کی چیز جو ڈیڑھ سو میں بیچتا ہے تو اس میں خریدار سے جو پچاس روپے زائد لیتا ہے ،ان کا کوئی عوض اس کی طرف سے خریدار کیلئے موجود نہیں ہوتا ،لہذا وہ بغیر عوض کے دوسرے کا مال لیتا ہے جس کو آیت کے اندر باطل سے تعبیر کرکے ممنوع ٹھہرایا گیا ہے۔ نیز یہ بیع وشراء کا ایسا معاملہ دکھائی دیتا ہے جس میں ایک فریق کے لیے اس کی چیز کا عوض موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس کی رضامندی موجود نہیں ہوتی ،ظاہر ہے کہ اس میں خریدار کے لیے مذکورہ بالا مثال کے مطابق پچاس روپے کا عوض موجود نہیں ہوتا جو قرض کی وجہ سے بیچنے والا خریدار سے لیتا ہے ،لہذا اس کی حقیقی رضامندی بھی موجود نہیں ہوتی لہذا اس پہلو سے بھی یہ معاملہ ناجائز اور ممنوع قرار پاتا ہے۔ (۱۵)

مولانا محمد طاسین کی مذکورہ بالا آراء کی تائید مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ کی درج ذیل تفسیر سے بھی ہوتی ہے ،وہ لکھتے ہیں:

"آیت کے اس جملہ میں تجارت کے ساتھ "عن تراض منکم" فرما کر یہ بتلا دیا کہ جہاں تجارت ہی نہ ہو بلکہ تجارت کے نام پر جوا ،سٹہ یا ربوا اور سود کا معاملہ ہو یا مال ابھی موجود نہیں ،محض ذہنی قرارداد پر اس کا سودا کیا گیا ہو وہ بیع باطل اور حرام ہے۔ اسی طرح اگر تجارت یعنی مبادلہ اموال تو ہو لیکن اس میں فریقین کی رضامندی نہ ہو وہ بھی بیع فاسد اور ناجائز ہے ،اور یہ دونوں صورتیں اکل اموال بالباطل میں داخل ہیں ، البتہ ایک تیسری قسم اور ہے جس میں طرفین سے تبادلہ مال بھی ہے اور بظاہر فریقین کی رضامندی بھی مگر وہ رضامندی درحقیقت مجبوری کی رضامندی ہوتی ہے ،حقیقی رضامندی نہیں ہوتی ،اس لئے شرعاً اس تیسری قسم کو بھی دوسری ہی قسم میں داخل قرار دیا گیا ہے ،مثلاً عام ضرورت کی چیزوں کو سب طرف سے سمیٹ کر کوئی ایک شخص یا ایک کمپنی ذخیرہ کرے اور پھر اس کی قیمت میں خاطر خواہ اضافہ کرکے فروخت کرنے لگے چونکہ بازار میں دوسری جگہ ملتی نہیں ،گاہک مجبور ہے کہ مہنگی سستی جیسی بھی یہ فروخت کرے وہ اس کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> خرید لے، اس صورت میں اگرچہ گاہک خود چل کر آتا ہے اور بظاہر رضا مندی کے ساتھ خریدتا ہے، لیکن اس کی یہ رضا مندی درحقیقت ایک مجبوری کے تحت ہے، اس لئے کالعدم ہے، یا کوئی آدمی جب یہ دیکھ کر میرا جائز کام بغیر رشوت دیئے نہیں ہوگا وہ رضا مندی کے ساتھ رشوت دینے کے لئے آمادہ ہو تو چونکہ یہ رضا مندی بھی درحقیقت رضا مندی نہیں اس لئے شرعاً کالعدم ہے۔"(۱۶)

معاملہ زیر بحث یعنی "بیع مؤجل" میں بھی چونکہ خریدار قرض حسنہ نہ ملنے کی وجہ سے ادھار پر کوئی چیز زیادہ قیمت پر خرید لیتا ہے تو اس کی یہ خریداری مجبوری اور اضطرار کے تحت ہوتی ہے اور اس میں حقیقی رضا مندی موجود نہیں ہوتی، لہٰذا بیع وشراء کا وہ معاملہ جس میں ایک فریق کی حقیقی رضا مندی موجود نہ ہو، ناجائز وممنوع قرار پاتا ہے، اور یہ ممانعت ایک حدیث سے بھی ثابت ہے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

> قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ۔ (۱۷)
>
> "فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا "مضطر" کی خرید وفروخت سے"

مذکورہ حدیث کو نقل کرتے ہوئے مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں:

> "بعض اوقات آدمی فقر وفاقہ یا کسی حادثہ کی وجہ سے یا کسی ناگہانی پریشانی میں گھر جانے کی وجہ سے اپنی کوئی چیز بیچنے کے لئے یا کھانا وغیرہ کوئی چیز خریدنے کے لئے سخت مجبور اور "مضطر" ہوتا ہے، ایسے وقت بے درد تاجر اس شخص کی مجبوری اور اضطراری حالت سے ناجائز فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مذکورہ حدیث میں اسی کو "بیع مضطر" کہا گیا ہے اور اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے"(۱۸)

بیع مؤجل کے بارے میں مولانا محمد طاسین کے مذکورہ بالا آراء سے بعض دیگر علماء بھی متفق ہیں، جیسا کہ شمس پیرزادہ لکھتے ہیں:

> "ادھار کی بنیاد پر قیمت بڑھ جانے کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ جو رقم مشتری کے ذمہ دین ہے اس پر فائدہ حاصل کیا جائے، اور یہ سود نہیں تو اور کیا ہے؟ اسلام میں شرعی احکام کی تعمیل صحیح اسپرٹ میں اور حسن وخوبی کے ساتھ مطلوب ہے اور اس کے لئے بصیرت ضروری ہے، فقہ کو ایک فن بنا کر خالص فنی بحثیں کرنا اور جس طرح ایک وکیل قانونی موشگافیاں کر کے قانونی جواز کی صورتیں پیدا کرتا ہے اسی طرح موشگافیاں یا حیلے کر کے شریعت کے ایک حرام کو حلال یا ناجائز قرار دینا صحیح نہ ہوگا، بلکہ سخت گناہ کا موجب ہوگا اس لئے ہماری نظر الفاظ واشکال سے زیادہ مقاصد ومعانی پر ہونی چاہئے"

علماء وفقہاء نے کئی ایسی صورتیں ذکر کی ہیں جن پر بظاہر سود کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے سودی معاملات ہی ہوتے ہیں یا سود ہی پر منتج ہوتے ہیں، مثلاً "بیع العینہ" لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ زائد قیمت پر ادھار فروخت کو اس طرح کا معاملہ قرار دیا جائے.... نقد کے مقابلے میں ادھار کی قیمت زیادہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ مشتری کے ذمہ جو دین ہے اور جو ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدت کے بعد وصول ہونے والا ہے، اس پر فائدہ حاصل کیا جائے، یہ صورت یقیناً ربا ہی کی ہوئی، اس کے باوجود اگر اس کو ربا کہنے میں تامل ہو تو اسے ربیہ کہنا ہی پڑے گا۔(۱۹)

مولانا عبدالعظیم اصلاحی اس بارے میں لکھتے ہیں:

"نقد یا ادھار کی بنیاد پر قیمتوں میں کمی یا بیشی اکثر فقہاء کے نزدیک ایک مسلم حقیقت ہے لیکن مدت ادائیگی میں کمی اور زیادتی کے مطابق منافع میں کمی اور زیادتی ربا کو مستلزم ہوئی اس لئے اس کے جواز میں تامل ہے"(۲۰)

مولانا محمد صدر الحسن ندوی اپنے مقالے "مرابحہ سے متعلق مسائل" میں لکھتے ہیں:

"حدیث میں فرمایا گیا کہ ایک بیع میں دو شرطیں جائز نہیں ہیں، صاحب نہایہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یوں کہے کہ میں یہ کپڑا نقد کی شکل میں ایک دینار میں اور ادھار کی صورت میں دو دینار میں فروخت کرتا ہوں اور وہ ایک بیع میں دو بیع کی طرح ہے"

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ایک بیع میں دو بیع کی تفسیر و تشریح دو طرح سے کی گئی ہے، پہلی صورت یہ ہے کہ بائع یوں کہے کہ میں تم سے یہ کپڑا دس روپے میں نقد کی شکل میں اور بیس روپے میں ادھار کی شکل میں ایک مہینہ کی مدت کے لئے فروخت کرتا ہوں، یہ صورت اکثر اہل علم کے نزدیک فاسد ہے کہ ایسی صورت میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ دونوں میں سے کس چیز کو اس نے ثمن بنایا ہے"(۲۱)

اسی طرح مصباح الرحمن یوسفی لکھتے ہیں:

"اسلام کی اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ خرید و فروخت میں ایک دوسرے کا لحاظ رکھا جائے، نرمی اور مسامحت کے ساتھ سودے کئے جائیں اور کسی کی مجبوری اور کمزوری سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے، اس لیے عمومی حالات میں خرید و فروخت کے دوران نقد اور ادھار کی علیحدہ علیحدہ قیمتوں کو ناپسند کیا گیا اور قرض ہونے کی صورت میں اضافی رقم کو سود سے تشبیہ دی گئی اور اس لیے اس کو ممنوع کیا گیا۔ یہ حرمت خاص طور پر اس وقت اور شدت اختیار کر لیتی ہے جب خریدنے والا اپنی تنگدستی کی وجہ سے مہنگا خریدنے پر مجبور ہو اور فروخت کرنے والا اپنی مالداری اور خریدکنندہ کی بے بسی اور لاچاری سے خوب فائدہ اٹھا رہا ہو، نیز جب فروخت کی جانے والی اشیاء کا تعلق انسان کی بنیادی ضروریات سے ہو جیسے غلہ، ادویات، ضروری لباس اور اس طرح کی چیزیں جن کے بغیر انسانی زندگی کا گزارا ہی نہیں ہو سکتا ہو، ان چیزوں کی فروخت ان حالات میں بہت زیادہ مہنگے داموں کرنا ظلم ہے اور چونکہ اس ظلم سے کینہ، حسد اور عداوت جنم لیتی ہے لہٰذا یہ حرام ہے"

البتہ ادھار کی صورت میں معمولی سی رقم کا اضافہ جس کو معاشرے میں بوجھ نہ سمجھا جاتا ہو یا ان اشیاء کی فروخت جو زندگی کی بنیادی ضروریات نہ ہوں، ان میں نقد خریداری پر ایک قیمت اور ادھار کی خریداری پر دوسری قیمت کو فروخت کرنا جائز ہے بشرطیکہ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اضافہ اپ قرض کی مدت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو اور ایک دفعہ مقرر ہونے کے بعد اس میں کسی قسم کا اضافہ نہ کیا جاتا ہو تو اس کو کراہت اور ناپسندیدگی کے ساتھ قبول کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ ان اشیاء کا تعلق بنیادی ضروریات زندگی سے نہ ہو اور رقم کا اضافہ بھی ظلم کی حد تک نہ ہو، نہ کسی ایک فریق کی مجبوری کو اس میں دخل نہ ہو۔(۴۲)

خلاصہ: بیع مؤجل کے حوالے سے مولانا محمد طاسین اور دیگر فقہاء کرام کے مذکورہ بالا دلائل کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ:

بیع مؤجل: (یعنی ادھار پر فروخت، چاہے اس کی ادائیگی قسطوں پر ہو یا مقررہ مدت کے بعد یکمشت) کے عدم جواز کے بارے میں جو دلائل پیش ہوئے ہیں ان میں کافی وزن پایا جاتا ہے اور جو فقہاء اس کے جواز کا فتوی دیتے ہیں ان کے نزدیک بھی یہ بیع چند شرائط کے ساتھ جائز ہے جن کی آج کل پابندی نہیں کی جاتی۔(۴۳) دوسری طرف اسلامی تعلیمات سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ کسی چیز کے انفرادی جواز و عدم جواز سے قطع نظر اس کے معاشرتی فوائد و نقصانات پر بھی غور کرنا چاہیے، جیسا کہ مفتی نظام الدین لکھتے ہیں:

> ”بعض افعال ایسے ہوتے ہیں کہ اصل کے لحاظ سے مباح ہوتے ہیں لیکن اگر ان کے کرنے میں دوسرے شخص کی حق تلفی اور ضرر کا امکان ہو تو ان کی اباحت ختم ہو جاتی ہے اور ممنوع شرعی بن جاتے ہیں۔ (مثلاً) ایک مسلمان عورت کو نکاح کا پیغام دینے کی ہر مسلمان مرد ہم کفو کو اجازت ہے لیکن پیغام پر پیغام دینا ممنوع ہے یعنی اگر ایک مسلمان مرد نے ایک ہم کفو مسلمان عورت کو اپنے نکاح کا پیغام دے دیا ہو اور اولیاء کا نکاح کا کچھ رجحان بھی پایا جائے تو جب تک وہ عورت انکار نہ کردے دوسرے کسی مسلمان کیلئے یہ مباح فعل جائز نہ ہوگا۔“(۴۴)

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ ”بیع مؤجل“ جسے آج کل ایک عام کاروبار کی شکل دی گئی ہے، بجائے اس کے کہ کم آمدنی اور متوسط طبقہ کے لوگوں کو ان کی ضرورت کی ایک چیز ادھار پر نسبتاً معمولی قیمت بڑھا کر ایک معلوم مدت اور وقفہ پر بالاقساط یا یکمشت ادائیگی پر فروخت کی جائے، اس کاروبار کی بنیاد ہی دوسروں کی مجبوریوں پر قائم کیا گیا ہے، حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسی خرید و فروخت سے منع کیا ہے جس میں دوسرے کی مجبوری اور اضطراری حالت سے فائدہ اٹھایا جائے یا جس میں فریقین کی حقیقی رضامندی شامل نہ ہو، اور ایک ایسا کاروبار جس کے مفاسد اور نقصانات معاشرے میں بھی ظاہر ہوئے ہیں اور جس نے کئی خاندانوں کو معاشی طور پر تباہ کر کے رکھ دیا ہے، اور آئے دن اس کاروبار سے معاشرے میں لوگوں کے درمیان تنازعات بھی پیدا ہوتے رہے ہیں۔ لہٰذا شریعت کی نظر میں ایک مستحسن کاروبار نہیں ہے، کیونکہ اس کاروبار میں معاشرے کے عام افراد کے ساتھ باہمی تعلقات میں خیر خواہی کے بجائے خود غرضی اور مفاد پرستی کو اختیار کیا جاتا ہے حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خود غرض بننے سے منع کیا ہے، لہٰذا اس کاروبار سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱۔ محمد موسیٰ بھٹو، عصر حاضر کی شخصیات میری نظر میں، حیدرآباد، سندھ نیشنل اکیڈمی، ۲۰۰۶ء، ص ۳۰۲۔۳۰۷

۲۔ مولانا محمد طاسین، بیع مؤجل، ماہنامہ میثاق لاہور، جنوری ۱۹۹۶ء، ص ۳۳۔۳۶

۳۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

۱۔ مفتی محمد تقی عثمانی، فقہی مقالات، کراچی، میمن اسلامک پبلشرز ۱۹۹۴ء، ج ۱، ص ۸۳۔۸۴

۲۔ مفتی محمد تقی عثمانی، فتاویٰ عثمانی، کراچی، مکتبہ معارف القرآن، ۲۰۱۰ء، ج ۳، ص ۱۱۵۔۱۱۹

۳۔ مجاہد الاسلام قاسمی (مرتب)، قسطوں پر خرید و فروخت، شرعی احکام اور مسائل، کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۲۰۰۲ء

۴۔ مولانا دلاور حسین، قسطوں پر خرید و فروخت کا مسئلہ، ماہنامہ البلاغ، ستمبر ۱۹۹۵ء، ج ۳۰، ش ۲، ص ۳۳۔۳۵

۴۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب البیوع، باب ما جاء فی النھی عن بیعتین فی بیعۃ

۵۔ مفتی محمد تقی عثمانی، فقہی مقالات، ج ۱، ص ۸۳

۶۔ ایضاً، ص ۸۳، ۸۴

۷۔ الشوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار، بیروت، دار الجیل، ۱۹۷۳ء، کتاب البیوع، باب بیعتین فی بیعۃ، ۵: ۲۴۹۔۲۵۰

۸۔ ایضاً، حوالہ سابق

۹۔ محمد طاسین، قسطوں پر خرید و فروخت کا مسئلہ، ماہنامہ البلاغ کراچی، دار العلوم، ج ۳۰، ش ۳، ستمبر ۱۹۹۵ء، ص ۴۳

۱۰۔ ایضاً، ماہنامہ البلاغ، ج ۳۰، ش ۴، نومبر ۹۵ء، ص ۱۲، ۱۵

۱۱۔ مولانا محمد طاسین، نظام راسماریہ بیع مؤجل، ماہنامہ میثاق لاہور، ج ۴۱، ش ۱، جنوری ۱۹۹۲ء، ص ۴۱، ۴۲

۱۲۔ سورۃ النساء، ۴: ۲۹

۱۳۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، کراچی، ادارۃ المعارف، ۱۹۷۹ء، ۲: ۳۷۸

۱۴۔ الجصاص، ابی بکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، لاہور، سہیل اکیڈمی، ۱۹۸۰ء، باب التجارات وخیار البیع ۲: ۱۷۴

۱۵۔ محمد طاسین، ماہنامہ میثاق، ج ۴۱، ش ۱، جنوری ۱۹۹۲ء، ص ۴۲۔۴۳

۱۶۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۷۸، ۳۷۹

۱۷۔ ابی داؤد، سلیمان بن الاشعث، السنن، کتاب البیوع، باب فی بیع المضطر

۱۸۔ نعمانی، منظور احمد، معارف الحدیث، کراچی، دار الاشاعت، ۲۰۰۱ء، کتاب المعاملات ۷: ۹۲

۱۹۔ شمس پیرزادہ، جدید فقہی مباحث، کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۳: ۳۱۷۔۳۲۰

۲۰۔ ایضاً، جدید فقہی مباحث، ۳: ۳۲۳

۲۱۔ ایضاً، جدید فقہی مباحث، ۳: ۲۵۲، ۲۵۳

۲۲۔ یوسفی، مصباح الرحمٰن، آپ نے پوچھا، اسلام آباد، دعوۃ اکیڈمی، ۲۰۱۱ء، ص ۱۵۲، ۱۵۳

۲۳۔ جواز کی شرائط کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مجاہد الاسلام قاسمی (مرتب)، قسطوں پر خرید و فروخت، شرعی احکام اور مسائل، کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۲۰۰۲ء، ص ۲۸، ۲۹

۲۴۔ مفتی نظام الدین، نظام الفتاویٰ، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ۱۴۲۰ھ، ج ۲، ص ۳۱۵

© rasailojaraid.com